جہاں وہی رات چودھویں شب قرار پاتی ہو۔ کرۂ قمر ایک ہی ہے جو مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں میں کچھ دیر بعد لازماً ویسا ہی دکھائی دیگا جیسا مغربی پاکستان میں ڈھائی تین گھنٹے قبل دکھائی دیتا رہا ہو۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہی چاند ایک ہی رات میں ماہِ کامل بھی ہو اور گیارہویں یا بارھویں رات کا نامکمل چاند بھی۔ بہ الفاظ دیگر وہ محض تین گھنٹوں کے فرق میں بارھویں رات کے نامکمل چاند سے ماہِ کامل بن جاتے اور اگلی رات ہمارے لیے پھر نامکمل چاند ہو جائے! یہاں یہ وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ انگلستان سے شائع ہونے والی ایک مسلّمہ فلکی تقویم میں جو ر افائیل کی تقویم فلکی کہلاتی ہے' ماہِ شوال ۱۳۸۵ھ میں چاند کے 'مہِ کامل' ہونے کا جو وقت لکھا ہے وہ پاکستان کے لیے ۵ اور ۶ فروری ۱۹۶۶ء روز شنبہ و یکشنبہ کی درمیانی رات کی ابتدا میں پڑتا ہے جس کی رُو سے پاکستان میں یکم شوال ۱۳۸۵ھ ۲۴ جنوری ۱۹۶۶ء کو بروز دوشنبہ قرار پاتی ہے۔

چونکہ مغربی قومیں آج متعدد علوم و فنون میں دوسری اقوام اور مسلمانوں کی بہ نسبت بہت آگے ہیں اس لیے اُن علوم میں بیشتر معیاری معلومات مغرب ہی سے شائع ہوتی ہیں۔ انہی میں فلکیاتی تقویمیں بھی ہیں جن میں رفتارِ سیارگان صحت کے ساتھ درج ہوتی ہے جس کی تصدیق مسلمان ماہرینِ فلکیات بھی کر سکتے ہیں۔ ان کی مدد سے بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کسی مہینے چاند کن کن علاقوں میں غروبِ آفتاب کے وقت ایسے درجات پر پہنچ جائے گا کہ ہلالی شکل میں دکھائی دے سکے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا کسی جگہ نئے چاند کے دیکھے جانے کا دعویٰ درست ہے بھی یا نہیں۔ اس سلسلے میں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے ہاں اُن عبادات کی حیثیت کیا ہو گی جو شرعاً تو حقیقی رویتِ ہلال پر موقوف ہیں لیکن عملاً اُن کے بارے میں رویت کی پابندی نہیں کی جا رہی ہے۔ ان حالات میں حسبِ ذیل امور فیصلہ طلب ہیں :۔

(۱) علمائے دین کی ایک جماعت جس میں تمام بڑے اسلامی ملکوں کے مسلّم اور سربرآوردہ علماء کی نمائندگی ہو، اس بات کو طے کرے کہ کیا قمری مہینوں کے آغاز کے لیے اب نئے چاند کا دیکھا جانا ضروری نہیں رہا ہے ؟

(۲) اگر اب یہ ضروری نہیں ہے تو پھر یہ طے کیا جائے کہ نئے چاند کے تعین کی بنیاد کیا ہو گی کیا یہ بنیاد "فلکیاتی اصطلاح کے مطابق" "نیا چاند" ہو گا۔ اس اصطلاح کے تحت "نئے چاند" کا اطلاق کُرۂ قمر پر اُس وقت ہوتا ہے جب وہ منطقۃ البروج میں اُسی درجے پر پہنچ جائے جس درجے پر آفتاب ہو۔ اس کے معاً بعد ہی وہ "نیا چاند" ہو جاتا ہے، لیکن ہلال کی شکل میں نظر آنے کی نوبت پر یہ عموماً ایک دن بعد پہنچتا ہے اور بعض صورتوں میں دو دن بعد بھی۔ اس مسئلے کی تفصیلات طویل اور پیچیدہ ہیں جن پر بحث کی یہاں گنجائش نہیں۔

(۳) اگر نئے چاند کا دیکھا جانا بہر حال ضروری ہے تو اس کے مطابق عمل بھی لازمی ہے۔ نئے چاند کے نظر آنے کی بنیادی شرط، صدیوں کے تجربے کے مطابق یہ ہے کہ یہ اُس وقت دکھائی دیتا ہے جب کُرۂ قمر، کُرۂ آفتاب سے کم و بیش بارہ درجے پیچھے ہٹ جائے (یا صحیح فلکیاتی اصطلاح کے مطابق کم و بیش آگے بڑھ جائے)۔ اگر آفتاب اور چاند کے درمیان فاصلہ گیارہ درجے سے کم ہو تو نئے چاند کے دکھائی دینے کا امکان تقریباً معدوم ہوتا ہے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۶۶ء روز شنبہ مطابق ۲۹ رمضان ۱۳۸۵ھ کو مغربی پاکستان میں غروبِ آفتاب کے وقت چاند کا سورج سے فاصلہ رافائیل کی تقویم کے مطابق پونے دس درجے تھا۔

آفتاب اور چاند کے درمیان فصل وقت کے گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہے اور اسی اثناء میں زمین بھی اپنے محور پر گردش کرتی ہوتی ہے جس کا رُخ مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ لہٰذا رویتِ ہلال کی حد تک اختلافِ مطالع بنیادی طور پر شرقاً غرباً ہوتا ہے، گو نئے چاند کے دکھائی دینے پر کچھ اور عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہاں ناممکن ہے۔ غرض یہ تصور درست نہیں ہے کہ مثلاً مغربی پاکستان کے شمالی علاقوں میں رویتِ ہلال کراچی سے ایک دن پہلے عموماً ممکن ہے اور پھر وہاں سے مشرقِ وسطیٰ کے درمیان مزید ایک دن کا فرق ہو سکتا ہے لہٰذا کراچی اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان رویت ہلال میں دو دن کا فرق ممکن ہے۔ ۱۳۸۵ھ کی عید الفطر کا تو یہ حال ہوا کہ سعودی عرب میں یہ عید اخباری اطلاعات کے مطابق جمعہ ۲۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو، مصر میں بروز

شنبہ ۲۲ جنوری کو، کچھ اور مقامات پر یکشنبہ ۲۳ جنوری کو اور پاکستان میں بشیتر بروز دوشنبہ ۲۴ جنوری کو منائی گئی۔ کیا ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب عیدیں رویتِ ہلال پر مبنی تھیں۔ اگر کوئی یہ فرض کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شوال ۱۳۸۵ھ میں ماہِ کامل بھی چار متواتر راتوں میں ہونا چاہیے جن میں سے ایک سعودی عرب کے لیے، ایک مصر کے لیے ایک کچھ اور علاقوں کے لیے اور ایک پاکستان کے لیے ہو! کیا یہ ممکن ہے؟ البتہ یہ صورت علمی طور پر قابلِ قبول ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں کے لیے، دو متواتر راتوں میں سے کسی ایک رات کو چاند کی وہ شکل ہو جسے عرفِ عام میں ماہ کامل کہا جاتا ہے، جیسا کہ رویت بھی مختلف علاقوں میں صرف دو متواتر شاموں میں سے کسی ایک شام کو ہو سکتی ہے۔

آسمان پر سیرِ قمر کا حساب صدیوں سے صحت کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ علمِ فلکیات کی مزید ترقی اور جدید آلات کی مدد سے یہ حسابات زیادہ قابلِ اعتماد اور صحیح ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کرۂ قمر کسی جگہ ہلال کی شکل میں نمودار ہو سکنے کی نوبت پر کس دن اور کس وقت پہنچ رہا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر آیا کسی مقام پر غروبِ آفتاب کے وقت تک چاند، آفتاب سے کم و بیش بارہ درجے دُور ہو رہا ہے یا نہیں تاکہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں رُویتِ ہلال ممکن ہو۔ اِس ضمن میں ہمیں اپنے عوام کی صحیح رہبری کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے۔ مناسب افہام و تفہیم کے ذریعے ان پر یہ بات واضح کی جانی چاہیے کہ وہ شک کا روزہ نہ رکھیں جس کی حدیث میں ممانعت کی گئی ہے یعنی وہ رمضان کے روزے ایک دن پہلے شروع نہ کریں ورنہ اس ماہ کے ۳۰ روزے ہونے کی صورت میں انہیں یا تو ۳۱ روزے رکھنے ہوں گے یا پھر رویت سے ایک دن پہلے عید الفطر کرنی ہوگی اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں ہیں۔ تبلیغ کا ایک نہایت اہم پہلو ہمارے لیے یہ بھی ہے کہ خود مسلمانوں کو دین کے مبادی سے واقف کرائیں۔

نئے چاند کا نظر آنا مظاہرِ قدرت میں سے ایک مظہر ہے اور تمام مظاہرِ فطرت، جن میں سیارگان کی گردش بھی شامل ہے، مقررہ طبیعی قوانین کے مطابق وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ سُنّتِ الٰہی یہ ہے

کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اِن حقائق کے باوجود یہ تصوّر کہ شاید چاند ایسی صورت میں بھی نظر آجاتا ہو جبکہ اس مظہر کے وقوع پذیر ہونے کے قدرتی لوازم پُورے نہ ہوتے ہوں، محض لاعلمی اور فہم کی کوتاہی ہے۔ علم مسلمان کی میراث تھا جس کے حصول کی تاکید قرآنِ حکیم اور احادیث میں موجود ہے۔ قدرت کی نشانیوں، آسمان و زمین اور اس کے موجودات میں غور و فکر کرنے کی قرآنی دعوت درحقیقت تمام سائنسوں کی بنیاد ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ بجائے اس کے کہ علم کو اپنی میراثِ گم گشتہ تصوّر کریں اور اسے جہاں بھی ملے، حاصل کریں، اس سے نابلد رہنے پر قانع ہیں اور اُن امور سے جن پر انہیں اپنے علم کی مدد سے حاوی اور مطلع رہنا چاہیے تھا، بے خبر ہیں۔ اس طرح ہم نے اپنے اہم ترین مذہبی اعمال کو محض ایسے روایاتی معتقدات کا درجہ دے دیا ہے جن کا حقائقِ کائنات سے گویا کوئی تعلق نہیں ہے۔

رویتِ ہلال ممکن ہونے سے قبل بعض جگہ قمری ماہ کے آغاز کے اعلان کی صرف ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ قمری تاریخیں اُس دن سے شروع کی جا رہی ہیں جس دن مغربی فلکیاتی تقویموں میں "NEW MOON" یا "نیا چاند" لکھا ہوتا ہے اور اس پر بھی غور نہیں کیا جا رہا ہے کہ فلکیاتی اصطلاح کے تحت ہی سہی، لیکن نئے چاند کا اطلاق خود اُس ملک پر اُس دن ہوتا ہے یا نہیں۔ شوال ۱۳۸۵ھ کے آغاز کا اعلان سعودی عرب میں ایسے دن کیا گیا کہ کُرۂ قمر، فلکیاتی اصطلاح میں بھی "نئے چاند" کی منزل پر، مقامی حساب کے مطابق یکم شوال کا پُورا دن گزرنے کے بعد مغرب کے قریب پہنچا اور ہلال کے درجے پر پہنچنے کے لیے اُسے بعض علاقوں کی نسبت سے کم ازکم مزید ایک دن اور بعض ملکوں کے لیے مزید دو دن درکار تھے۔ جیسا کہ اوپر بھی بتایا گیا، فلکیاتی اصطلاح کا "نیا چاند" ہلال نہیں ہوتا بلکہ اس کے اور ہلال کے درمیان کم ازکم ایک دن کا، اور بعض صورتوں میں دو دن کا فرق بھی ہو سکتا ہے۔ غرض فلکیاتی اصطلاح کے "نئے چاند" اور شرعی رویتِ ہلال میں فرق خواہ ایک دن کا ہو یا دو دن کا، اس کے مطابق رویت کا اعلان اور اُس پر عملدرآمد نہ تو سائنسی نقطۂ نظر سے قابلِ قبول ہے اور نہ شرعی طور پر قابلِ برداشت۔ اب اِس گتھی کو سلجھانا علمائے کرام کا

کام ہے کہ یہ صورت کیوں واقع ہو رہی ہے۔

اس مرحلے پر چند اور امور قابلِ توجہ ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ عالمِ اسلام یا مسلم مملکتوں کا کرۂ ارض پر موجودہ پھیلاؤ ایسا ہے کہ سب جگہ رویتِ ہلال ایک ہی دن ہونا ضروری بھی نہیں ہے۔ بعض مہینوں میں ایک دن کا فرق ناگزیر ہوگا جو سائنسی طور پر لازم ہے۔ لیکن ایک دن سے زیادہ کا فرق بھی ناممکن ہے۔ ایک دن کا فرق مثلاً اس طرح ہوگا کہ نیا چاند، قابلِ رویت ہونے کی نوبت پر ایران میں کسی جگہ غروبِ آفتاب کے وقت پہنچے۔ اس صورت میں پاکستان یا انڈونیشیا میں، جو ایران کے مشرق میں ہیں رویت نہیں ہو سکے گی اور اس بنا پر نئے ماہ کا آغاز شرعاً نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے ایران کے مغرب میں جو اسلامی ملک، مثلاً عراق، سعودی عرب، شام، اُردن اور ترکی ہیں، وہاں نیا چاند یقیناً دکھائی دیگا۔ اسی طرح ہم جتنا مغرب کی طرف بڑھتے جائیں گے، یعنی مصر، پھر لیبیا، پھر الجزائر اور پھر مراکش وغیرہ، تو ان ملکوں میں نیا چاند علی الترتیب زیادہ واضح دکھائی دیتا جائے گا۔ لیکن یہ محض ناممکن ہے کہ نیا چاند مثلاً مصر میں کسی دن دکھائی دے اور اس کے تیسرے دن سے پہلے پاکستان میں دکھائی نہ دے سکے۔

موجودہ مسلم مملکتوں کا پھیلاؤ انڈونیشیا سے لے کر مغربی افریقہ تک ہے اور انڈونیشیا کی مشرقی سرحد سے افریقہ کے مغربی ساحل تک کا فصل کم و بیش ۱۵۷½ درجے طول البلد بنتا ہے۔ وقت کے حساب سے یہ فرق کوئی ۱۰½ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ کیونکہ زمین ۲۴ گھنٹوں میں اپنے محور پر ۳۶۰ درجے گھوم جاتی ہے۔ ۱۰½ گھنٹے میں کرۂ قمر، جب وہ سُست رفتار ہو، تو کوئی ۵½ درجے اور جب تیز رفتار ہو تو کوئی ۶¼ درجے قوس تک کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ واضح ہو کہ زمین کے گرد چاند کی گردش کی رفتار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے چنانچہ ۲۴ گھنٹوں میں چاند منطقۃ البروج کے پس منظر میں کبھی تقریباً ۱۱¾ درجے اور کبھی تقریباً ۱۵¼ درجے تک کا فاصلہ طے کرتا ہے۔ یہ کیفیت اُن تمام اجرامِ فلکی کی ہے جو کسی دوسرے جرمِ فلکی کے گرد گھومتے ہیں، یعنی ایک مکمل گردش کے دوران اُن کی رفتار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ نیز یہ کہ ان کی گردش ایک مکمل دائرے کی شکل میں نہیں ہوتی بلکہ

ان کا مدار بیضوی شکل کا ہوتا ہے۔ چنانچہ گردش کرنے والے توابع کا فاصلہ اپنے مرکزی جِرمِ فلکی سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور یہ قانونِ فطرت ہے کہ توابع کی رفتار اپنے مدار پر اس وقت سب سے زیادہ دھیمی ہوتی ہے جب وہ اپنے مرکزی جرمِ فلکی سے بعید ترین فاصلے پر ہوں اور اُس وقت سب سے زیادہ تیز ہوتی ہے جب وہ مرکزی جرمِ فلکی سے قریب ترین ہوں۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ قدرت کسی مرکزی جرمِ فلکی کی قوتِ کشش، اور اس کے گرد گھومنے والے توابع کی اپنے مدار پر گردش سے پیدا ہونے والی مرکز گریز طاقت (CENTRIFCENUCALFOGALFORCE) کے درمیان توازن قائم رکھتی ہے۔ جب توابع اپنے مرکزی سیارے یا ستارے سے قریب تر ہوں تو اُن پر قوتِ کشش زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جس کی تعدیل، زیادہ تیز رفتار کی وجہ سے پیدا ہونے والی زیادہ قوی مرکز گریز قوت کر دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو توابع اپنے مدار پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور اپنے مرکزی جرمِ فلکی کی طرف کھنچ کر اُس سے جا ٹکرائیں گے۔ قدرت کے اِسی اصول کے تحت، جسے ایک سائنسی ضابطے کی شکل دے لی گئی ہے، زمین کے گرد چاند کی گردش کی رفتار بھی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے جس کا حساب لگایا جاتا ہے اور جو تمام معیاری تقاویمِ فلکی میں شائع بھی ہوتا ہے۔

چونکہ تمام دنیا، یا تمام اسلامی ملکوں میں بھی نیا چاند ایک ہی دن ہونا ضروری نہیں ہے، خواہ وہ شرعی اصطلاح میں ہو یا فلکیاتی اصطلاح میں، لہٰذا نیا چاند ہر جگہ ایک ہی دن قرار دینے کی غیر شرعی اور غیر علمی کوشش بھی ہمیں نہیں کرنی چاہیے۔ اگر مثلاً عالمِ اسلام کے مغربی نصف حصّے میں آج عید ہے اور پاکستان میں کل (کیونکہ ہمارا ملک جغرافیائی طور پر موجودہ عالمِ اسلام کے مشرقی نصف حصّے میں پڑتا ہے) تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ علاوہ ازیں بعض عیدیں ایسی بھی ہونگی جو تمام عالمِ اسلام میں ایک ہی دن ہوں۔ اس مجموعی صورتِ حال کو نہ تو مذہبی یکسانیت کی کمی پر محمول کرنا درست ہے اور نہ قمری تقویم کی خامی پر۔ مذہبی یک جہتی درحقیقت تصورات اور نصب العین کی یک جہتی ہے جس کا اظہار صرف فکر و عمل کی یکسانیت سے ہوتا ہے نہ کہ دن اور تاریخ کی یکسانیت سے۔ رہا دو مختلف تاریخوں کا سوال تو یہ صورت شمسی تقویم کے تحت بھی اُس علاقے میں پیش آتی ہے جہاں

بین الاقوامی طور پر تسلیم کردہ "خطِ تاریخ" (DATE LINE) قائم ہے۔ یہ خط جو ایک حد تک ۱۸۰ درجے طول البلد کے ساتھ ساتھ بحرالکاہل کے مغربی نصف حصے میں قائم کیا گیا ہے، اُس کے عین مشرق میں جو شمسی تاریخ ہوتی ہے، خط کے عین مغرب میں اس سے اگلی تاریخ ہوتی ہے۔ زمین کی گولائی کی بنا پر یہ ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس سے مفر نہیں۔

کسی مہینے تمام عالمِ اسلام کے لیے ایک ہی دن نیا چاند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انڈونیشیا کے مشرقی علاقے میں دکھائی دے۔ اس صورت میں وہ تمام اسلامی ملکوں میں دکھائی دے گا۔ البتہ اُن مہینوں کے لیے جن میں نیا چاند تمام اسلامی ملکوں میں ایک ہی دن نہ ہو رہا ہو علماء کی کسی مرکزی کمیٹی کی جانب سے یہ اعلان کیا جا سکتا ہے کہ رؤیت کے دو ممکن دنوں میں سے کن کن ملکوں میں چاند کس دن دکھائی دیگا۔ اس صورت میں کوئی علاقہ ایسا بھی ہوگا جہاں کسی دن چاند کے ہونے یا نہ ہونے کی حدِ فاصل واقع ہوگی۔ ایسے علاقہ میں رویت کی شرعی شہادت کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔ ایسا اعلان ہر ماہ کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ مسلمان دنیا کے تمام برِّاعظموں میں موجود ہیں اور اس سے سب کو سہولت ہوگی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم اپنی لاعلمی کے سبب دوسروں کی نظر میں اپنے مذہب کو قابلِ حرف گیری قرار دیئے جانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی ایک علاقے میں دو عیدوں ہی کو لیجیے۔ غیر مسلم اسے مذہبِ اسلام اور اس کے احکام کی ایک بڑی خامی کے طور پر پیش کرتے ہیں جو درحقیقت مذہب کی کوئی خامی نہیں بلکہ اس کے موجودہ پیرووں کی لاعلمی اور بے حسی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ ہم اس بنا پر عنداللہ قابلِ مواخذہ ہوں اور یہ بھی ہماری محرومیوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہو۔

مطبُوعات

مشارق الانوار مترجم | مرتبہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی - ناشر: نور محمد - اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی -

مشہور امام حسن صغانی لاہوری کی یہ مشہور معروف تالیف صحیحین کی صرف قولی احادیث پر مشتمل ہے - فاضل مرتب نے اس فرض کو کتنی محنت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا ہے، اس کا اندازہ اُن کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے کہا "یہ کتاب صحت اور استناد کے اعتبار سے میرے اور خدا کے درمیان حجت ہے - وہی اس حقیقت سے واقف ہے کہ مَیں نے اس کی ترتیب میں کتنی محنت اٹھائی ہے"

اس کتاب کا ترجمہ ۱۲۴۹ھ میں مولانا خرم علی نے کیا اور "تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار" کے نام سے شائع ہوا - اب مولانا محمد عبدالحلیم صاحب نے نئی ترتیب کے ساتھ اسے مرتب کیا ہے - اس کتاب کے اصل مرتب امام حسن صغانی نے اسے عوامل نحویہ پر ترتیب دیا تھا یعنی ان میں ترتیب معنوی کی بجائے ترتیب لفظی ملحوظ رکھی گئی تھی لیکن اب اس کی ترتیب فقہی ابواب پر کی گئی ہے - ترتیب ابواب میں صحیح مسلم کے ابواب کو اولیت حاصل ہے - چونکہ اس کتاب میں ہر حدیث مکمل طور پر، اپنی ساری جزئیات کے ساتھ درج نہیں اس لیے فاضل مرتب کو ابواب بندی میں کہیں کہیں نئے عنوانات قائم کرنے پڑے ہیں جس کی تصریح مرتب نے حواشی میں کر دی ہے اور ساتھ ہی اُس باب کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے جس کے تحت وہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہے -

اس کتاب میں البتہ چند چیزیں ضرور کھٹکتی ہیں - ایک تو ترجمے کی زبان جدید نہیں جس کی وجہ سے